<u>عقیدۂ آخرت یا تصور جواب دہی</u> : عقیدہ آخرت سے مراد یہ ہے کہ یہ دنیا فانی ہے اور ہر شخص کو مرنا ہے اور مر کر پھر جینا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہو کر اپنے اعمال کا جواب دینا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے :

﴿ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۙ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ ﴾ (آل عمران : ۲۵)

"پس اس وقت کیا حال ہو گا جب ہم ان کو جمع کریں گے۔ اس روز کے آنے میں کوئی شک نہیں اور ہر نفس اپنے اعمال کا پورا بدلہ پائے گا اور کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا"۔

چنانچہ یہی وہ عقیدہ اور اصول ہے جو افکار و اعمال کو پاکیزہ رکھتا ہے اور انسانی فکر میں تقویٰ اور احتیاط کا رویہ پیدا کرتا ہے۔ لہٰذا آخرت اور جواب دہی کے تصور کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے حجۃ الوداع کے موقع پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا :

"اور تم لوگ بہت جلد اپنے پروردگار سے ملو گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کے متعلق پوچھے گا"۔[11]

انسانی ذہن اور فکر کا صحیح راستہ متعین کرنے کے بعد سیرت طیبہ سے ہمیں عمل کی ترغیب کا درس ملتا ہے۔ انسان جسد خاکی مٹی اور روح سے مرکب ہے۔ چنانچہ نہ روح بغیر جسم کے جلوہ گر ہو سکتی ہے اور نہ جسم بغیر روح کے کارگر۔ چنانچہ دنیا میں ہماری روح کے اظہار کی صورت ہمارا جسم ہے اور انسان کے عمل ہی سے اس کی روح کی پاکیزگی اور غلاظت کا پتہ چلتا ہے۔[12] اسی لئے قرآن مجید میں ایمان ـــــ جو ذہنی و قلبی کیفیت کا نام ہے ـــــ کے ساتھ ساتھ عمل صالح کا تقاضا کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے :

﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ : ۸۲)

"اور جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے وہی اصحابِ جنت ہیں اور وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے"۔

خالق چاہتا تھا کہ کوئی اس کی تخلیق کو سمجھے' اس سے لطف اندوز ہو' اس کی داد

دے اور اس کی تخلیق کو سمجھ کر خالق کی حقیقت کو پہچان کر اس تک رسائی حاصل کرے اور اس کا قدر دان اور شکر گزار بن جائے۔ خالق سے محبت کرے اور پھر اپنے عمل سے اس کی محبت کا حق ادا کرے، مگر مجبوراً نہیں بلکہ خوشی سے۔[۱۳] انسانی جسم سے عملی صورت میں خالق کی محبت کا حق ادا کرنے اور شکر بجالانے کے لئے سیرت طیبہ سے مندرجہ ذیل تحفے انسانیت کو حاصل ہوئے۔

نماز : نماز ایک ایسی عملی عبادت ہے جس میں انسان کا دل، دماغ اور جسم خدا تعالیٰ کی محبت اور اس کی قدر دانی کا ثبوت پیش کر رہا ہوتا ہے اور وہ ہر چیز سے بے نیاز ہو کر خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کر رہا ہوتا ہے۔ انسان اپنے جسم کی سب سے اعلیٰ شے یعنی اپنی پیشانی کو خدا کے سامنے زمین پر ٹکا کر اللہ تعالیٰ کی برتری کا اعلان کر رہا ہوتا ہے۔ اسی لئے قرآن مجید میں بارہا نماز قائم کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ ارشاد ہے :

﴿ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ ﴾ (النور : ۵۶)

"اور نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو اور رسول ؐ کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے"۔

روزہ : روزہ دوسری بڑی عملی عبادت ہے۔ انسانی جسم کو صبر و شکر اور مشکلات برداشت کرنے کا عادی بنانے کا سب سے بڑا ذریعہ روزہ ہی ہے۔ یہ ایک ایسی عبادت ہے جو انسان کو دوسری بڑی اخلاقی بیماریوں یعنی جھوٹ، غیبت، حسد، بدگمانی، چوری، چغل خوری، بغض، کینہ، عداوت، لڑائی جھگڑا، جاسوسی اور چغل خوری سے نہ صرف باز رکھتی ہے بلکہ اسے خدا کی موجودگی اور قدرت کا احساس دلاتے ہوئے تقویٰ کا راستہ اختیار کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ اسی لئے قرآن مجید میں ارشاد ہے :

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ : ۱۸۳)

"اے ایمان والو! تم پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم پرہیز گار بنو"۔

نبی اکرم ﷺ ماہ رمضان کے علاوہ سال کے اکثر ایام میں بھی روزے رکھتے۔ آپ کا ارشاد ہے :

((اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ)) (۱۴)

"روزہ ڈھال ہے (گناہوں سے)"

زکوٰۃ : زکوٰۃ تیسری بڑی عملی عبادت ہے۔ اس عبادت کی وجہ سے انسان دولت کی ہوس اور لالچ سے دور رہتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے کسی بھائی کی محتاجی دور ہو جاتی ہے اور ان دونوں میں پیار اور محبت کا رشتہ قائم رہتا ہے اور معاشرہ فلاح پاتا ہے۔

زکوٰۃ کی اہمیت کے پیش نظر جابجا اس کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے :

﴿ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ﴾

(الحج : ۷۸)

"پس نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ کی رسی مضبوطی سے تھام لو' وہ تمہارا مولا ہے"۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ زکوٰۃ کی اہمیت کے پیش نظر لوگوں سے زکوٰۃ کی ادائیگی کی بیعت لیا کرتے تھے۔ حدیث شریف میں ہے :

"جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' میں نے آنحضرت ﷺ سے نماز کی درستی کے ساتھ ادا کرنے' زکوٰۃ دینے اور مسلمانوں کا خیر خواہ رہنے پر بیعت کی"۔ (۱۵)

کسی شخص کی فکر میں چمک پیدا کرکے اور اس میں عملی جذبہ کو پروان چڑھانے کے بعد دوسرا مرحلہ تزکیۂ نفس اور عمل کی پختگی اور دوام کا ہے۔ لہٰذا اس سلسلہ میں سیرت طیبہ سے حاصل ہونے والے مندرجہ ذیل موتی کسی شخص کے گلے میں سجا کر اس کی شخصیت کو مثالی بنایا جا سکتا ہے۔

ضبط نفس : ضبط نفس کا مطلب ہے کہ انسان اپنے دل میں پیدا ہونے والے شیطانی وساوس کو اپنے ایمان کی قوت سے دبا کر نبی کریم ﷺ کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق اپنی ساری زندگی بسر کرے۔ نبی پاک ﷺ نے اسے ایمان کے ساتھ مشروط کرتے ہوئے

خونریز معرکوں میں ہر جگہ توکل واعتماد علی اللہ کا ایک ہی جلوہ نظر آتا ہے۔[19]

استقامت : سیرت طیبہ سے حاصل ہونے والا ایک اور انمول موتی جو تعمیر شخصیت کے لئے ضروری ہے وہ استقامت ہے۔ استقامت کے معنی "سیدھا رہنا" یا "سیدھے چلے چلنا" کے ہیں۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ جس بات کو حق سمجھا جائے اس پر قائم رہا جائے' مشکلات اور خطرات کا مقابلہ کر کے صحیح راستہ پر ثابت قدمی سے چلا جائے۔[20] حدیث شریف میں ہے :

"ایک دفعہ کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی اکرم ﷺ سے اپنی مصیبتوں کا حال عرض کیا اور دعا کے لئے درخواست کی (چونکہ یہ بھی ایک قسم کی بے تابی تھی) تو آپ نے فرمایا تم سے پہلے لوگوں میں ایسا مرد بھی ہوا ہے جس کو زمین میں گاڑ دیا جاتا تھا اور آرے سے اس کو چیر کر دو کر دیا جاتا مگر یہ عمل اس کو دین حق سے روگرداں نہ کرتا تھا اور لوہے کی کنگھیوں سے اس کا گوشت ہڈیوں سے نوچ کر تار تار کر دیا جاتا مگر یہ عمل بھی اس کو اس کے دین سے نہ ہٹاتا تھا"۔[21]

خود نبی اکرم ﷺ کو جب حضرت ابو طالب نے بلا کر کہا "بھتیجے تمہاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے تھے اور ایسی ایسی باتیں کہہ گئے ہیں" تو آپ نے ایمان افروز جواب دیتے ہوئے فرمایا "چچا جان خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں کہ میں اس کام کو اس حد تک پہنچائے بغیر چھوڑ دوں کہ یا اللہ تعالیٰ اسے غالب کر دے یا میں اسی راہ میں فنا ہو جاؤں' تو نہیں چھوڑوں گا"۔[22]

احساس ندامت : احساس ندامت کسی بھی شخصیت کے اخلاق و کردار کی درستی کے لئے اہم ہتھیار ہے۔ اسی احساس کی بدولت انسان ہر گناہ سے حتی الامکان دور رہتا ہے اور بتقاضائے بشریت سہواً کوئی گناہ سرزد ہو بھی جائے تو پھر اپنے قلب اور روح کی تسکین کے لئے ہر قسم کی سزا بھگتنے کے لئے تیار رہتا ہے۔ اور یہ اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اتباع و اطاعت میں گناہ سے دور رہنے کا احساس نہ ہو۔ حدیث شریف میں ہے :

"نبی پاک ﷺ کے پاس ایک چور لایا گیا جس نے چوری کا اعتراف کر لیا تھا اور

فرمایا :

"تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہشات اس دین کے تابع نہ ہو جائیں جو میں لایا ہوں"۔ (۱۶)

بے غرضی : تعمیر شخصیت کے لئے سیرت طیبہ سے حاصل ہونے والا دوسرا انمول موتی بے غرضی ہے۔ قرآن مجید میں نبی پاک ﷺ کے اس وصف کی طرف یوں اشارہ ہوا :

﴿ قُلْ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ ﴾

(الانعام : ۱۶۳)

"کہہ دیجئے : بے شک میری نماز' میری قربانی' میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ ہی کے لئے ہے جو ربِ جہان ہے"۔

ایک حدیث مبارکہ میں ارشاد ہے :

"ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی"۔ (۱۷)

خود نبی کریم ﷺ نے ۲۳ سال تک ہر قسم کی مشکلات اور تکلیفات کا سامنا کرتے ہوئے بغیر کسی دنیاوی لالچ اور غرض کے اسلام کی تبلیغ کی حتیٰ کہ قریش مکہ کی مال اور آسائش و آرام کی پیشکش کو بھی ٹھکرا دیا۔

توکل : توکل کے معنی یہ ہیں کہ انسان کوششوں کے نتائج اور رواقعات عالم کے فیصلہ کو خدا کے سپرد کر دے۔ اسباب و علل کے پردے اس کے سامنے سے اٹھ جائیں اور اس کو ہر چیز براہ راست خدا کے قبضۂ قدرت میں نظر آئے۔ (۱۸) قرآن مجید میں مومنوں کے اس وصف کا ذکر کرتے ہوئے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا :

﴿ وَعَلَی اللّٰهِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ (ابراھیم : ۱۱)

"اور مومن تو اللہ ہی پر توکل کرتے ہیں"۔

آنحضرت ﷺ کی زندگی کا ایک ایک حرف پڑھ لیں' صاف نظر آئے گا کہ آسمان کے نیچے شدائد اور مصیبتوں کی کوئی صنف ایسی نہ ہو گی جو آپؐ کی راہ میں حائل نہ ہوئی ہو لیکن آپؐ کا دل کبھی اضطراب اور انتشار' مایوسی و ناامیدی اور خوف و بیم سے آشنا نہ ہوا۔ مکہ کی تنہائیوں میں' مصائب کے ہجوم میں' دشمنوں کے نرغہ میں' حنین و اُحد کے

اس کے پاس سامان نہیں پایا گیا تھا۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ تم نے چوری نہیں کی۔ کہنے لگا کیوں نہیں۔ آپؐ نے دو یا تین مرتبہ اس بات کو دہرایا لیکن وہ ہر بار اقرار کرتا تھا۔ آپؐ نے اس کے متعلق حکم دیا اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا"۔ (۲۳)

صبر : صبر کا مطلب ہے کہ نفسانی خواہشات کو عقل پر غالب نہ آنے دیا جائے۔ صبر دل کی کمزوری' بے بسی کی خاموشی اور بے کسی کی حالت میں مجبور ہو کر درگزر کرنے کا نام نہیں بلکہ دل کی انتہائی قوت' ہمت کی بلندی' عزم و استقامت اور مشکلات و مصائب کو خدا کے بھروسے پر خاطر میں نہ لانے کا نام ہے۔ نبی کریم ﷺ کی پوری زندگی صبر کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ حدیث شریف میں ہے :

"نبی اکرم ﷺ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ کے راستے میں مجھے اتنا ڈرایا دھمکایا گیا کہ کسی اور کو اتنا نہیں ڈرایا گیا اور اللہ کی راہ میں مجھے اتنا ستایا گیا کہ کسی اور کو اتنا نہیں ستایا گیا۔ اور ایک دفعہ تیس رات دن مجھ پر اس حال میں گزرے کہ میرے اور بلال (رضی اللہ عنہ) کے لئے کھانے کی کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کو کوئی جاندار کھا سکے سوائے اس کے کہ جو بلال نے اپنی بغل کے اندر چھپا رکھا تھا"۔ (۲۴)

میانہ روی : تعمیر شخصیت کو مثالی بنانے کے لئے سیرت طیبہ سے حاصل ہونے والا ایک اور انمول موتی میانہ روی ہے۔ میانہ روی کا مطلب ہے افراط و تفریط سے بالاتر رہنا۔ کسی بھی شخص کی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے اہم اصول میانہ روی ہے۔ یہ ایسا اصول ہے جو انسان کو زندگی میں اپنے اعمال و افعال میں حد سے بڑھنے سے روکتا ہے۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا :

"پرہیز کرو مال اور اخراجات میں بے جا صرف کرنے سے اور اعتدال اختیار کرو۔ کوئی قوم کبھی فقیر نہیں ہوتی جب تک اعتدال پر قائم رہے۔ (۲۵)

ایک جگہ ارشاد فرمایا :

((خیر الامور اوسطھا))

"بہترین کام درمیانے درجے کے ہیں"۔

برد باری : بردباری کے معنی یہ ہیں کہ انتقام کی قدرت کے باوجود کسی ناگوار یا اشتعال انگیز بات کو برداشت کر لیا جائے اور قصور وار سے اس کے لئے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔(۲۶)

نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے :

"جو شخص باوجود قدرت کے غصہ کو ضبط کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن سب کے سامنے بلا کر انعام خاص کا مستحق ٹھہرائے گا"۔(۲۷)

غزوہ اُحد میں حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والا حبشی جب آپؐ کے سامنے آیا تو آپؐ نے پوچھا کہ حمزہ رضی اللہ عنہ کو تو نے ہی قتل کیا۔ اس نے جواب دیا کہ آپؐ کو تو سب پتہ ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا کیا تو ایسا کر سکتا ہے کہ اپنا منہ مجھ کو نہ دکھلائے۔(۲۸)

شجاعت : قوت غضب کی زیادتی اور اس کے تابع عقل ہونے کو شجاعت کہتے ہیں۔ شجاعت عزم و استقلال اور حق گوئی و بے باکی کی بنیاد ہے۔ یہ ایسی صفت ہے جو کسی بھی شخص کو صحیح راستے پر چلتے ہوئے باطل کے سامنے ڈٹ جانے میں مدد دیتی ہے اور انسان دین حق کی سربلندی اور حفاظت کے لئے جان کی بازی لگانے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ یہی وجہ تھی کہ نبی پاک ﷺ نے بہادری کی اہمیت و ترغیب کے لئے فرمایا :

((وَاعْلَمُوْا اَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ)) (۲۹)

"اور جان لو، بے شک جنت تلواروں کے سائے تلے ہے"۔

خود سیرت طیبہ شجاعت کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

جنگ حنین میں گھات میں بیٹھے ہوئے مشرکوں نے اس قدر شدید تیر اندازی کی کہ اکثر مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے لیکن حضور ﷺ پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر قائم رہے۔ آپؐ کے خچر کی لگام حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے پکڑی ہوئی تھی اور آپؐ با آواز بلند فرما رہے تھے :

((اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبْ)) (۳۰)

حفظ اللسان : انسانی شخصیت کو ممتاز اور قابل قدر بنانے والی اہم خوبی جو سیرت مصطفیٰ ﷺ سے حاصل ہوتی ہے وہ زبان کی حفاظت ہے۔ زبان عقل کی نائب ہے۔ عقل و خیال میں جو کچھ آتا ہے اس کو الفاظ و عبارت کی صورت میں ظاہر کرنا زبان ہی کا کام ہے۔ جس قسم کے الفاظ و کلمات زبان سے نکلتے ہیں انہی کے مطابق کسی صفت، حرکت یا کیفیت کا

(باقی صفحہ ۵۹ پر)

مولانا مودودی مرحوم کا قائم کردہ تعلیمی ادارہ ۔ چند وضاحتیں

مرسلہ : مولانا عبدالغفار حسن

مکرمی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

امید ہے مزاج بخیر ہو گا۔ گھٹنوں کی تکلیف کو آپریشن کے بعد پوری طرح افاقہ ہو گا۔ دو ہفتے قبل ماہنامہ "حکمت قرآن" شمارہ اگست ۹۸ موصول ہوا۔ اس میں چند باتیں تصحیح کے قابل ہیں۔

۱۔ صفحہ نمبر۵ پر آپ نے حدیث لکھی ہے "كُنْتُ نَبِيًّا وَ آدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَ الطِّيْنِ" ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث ثابت نہیں ہے' بلکہ موضوع ہے۔ صحیح الفاظ یہ ہیں "كُنْتُ نَبِيًّا وَ آدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَ الْجَسَدِ"۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں حسب ذیل کتب :

(۱) ترمذی مع تحفۃ الاحوذی' طبع مصر ج ۱۰' ص ۸۷ باب فضائل النبی ﷺ

(۲) المقاصد الحسنۃ السخاوی ص ۳۲۷' حدیث ۸۳۷

(۳) المصنوع فی الحدیث الموضوع ملا علی قاری ص ۱۱۰ حدیث ۲۳۳۔

(۴) الاسرار المرفوعہ فی الاحادیث الموضوعۃ ملا علی قاری ص ۲۷۱' ح ۳۵۲

(۵) تمییز الطیب من الخبیث عبدالرحمٰن بن علی الشیبانی ص ۱۴۶۔

کاتب صاحب نے حدیث کے بعض الفاظ درست طور پر نہیں لکھے "والطین" کو "والتین" لکھ دیا گیا۔ پروف ریڈنگ کرتے ہوئے اس قسم کی غلطیوں کی اصلاح ضروری ہے۔

۲۔ صفحہ نمبر۳۹ پر آپ نے تحریر فرمایا ہے "بعد ازاں مولانا مودودی نے اسی طرح کی سکیم بنا کر راولپنڈی میں ادارہ قائم کیا جہاں گریجویٹس کو قرآن پڑھایا جائے اور عربی کی تعلیم دی جائے۔ اس کے لئے مولانا امین احسن اصلاحی اور مولانا عبدالجبار غازی